www.KitaboSunnat.com

عبد الحنان کیلانی[1]

'آزادی' اور 'مساوات' کی مسلّمہ جمہوری اقدار

اسلام کی نظر میں

گذشتہ چار پانچ صدیوں کے اندر یورپ میں بہت بڑی تبدیلیاں رونما ہوئی ہیں۔ یہ تبدیلیاں ہمہ گیر ہونے کے ساتھ ساتھ عالم گیر بھی ہیں۔ ان کی لپیٹ میں حیاتِ انسانی کا ہر شعبہ اور ہر فرد آیا ہے۔ مشرقی اور مسلم ممالک نے دانستہ اور نادانستہ اُن کے اثرات کو قبول کیا ہے۔ اگر طائرانہ نظر سے دیکھا جائے تو اُن تبدیلیوں کے اثرات اتنے گہرے ہیں کہ دورِ جدید میں ہر فکری تعبیر کے پس منظر میں اُنہیں دیکھا جاسکتا ہے اور یہ تبدیلیاں دنیا میں پہلے سے موجود مکاتب فکر کے لیے ایک چیلنج کی حیثیت اختیار کر گئی ہیں۔ ان حالات میں قدیم مکتبہ ہائے فکر کی طرف سے تین رویے سامنے آئے ہیں:

- خود سپردگی
- انکار
- جمع و تطبیق

ہر فکر اپنے پس منظر میں ایک گہری ثقافت رکھتی ہے۔ وہ اپنے حاملین کے مخصوص تاریخی رویے کا اظہار کرتی ہے۔ چنانچہ اس کے قائلین کا عمومی رویہ یہ ہوتا ہے کہ وہ ایک ایسی تعبیر کو پسند کرتے ہیں جو ان کی ثقافت کو مزید تاریخی جواز فراہم کرے اور ان کی قدیم تاریخی روش کی حوصلہ افزائی کرے۔ لیکن حقیقت پسندی کا تقاضا یہ ہے کہ 'حق' کو ہر حال میں تسلیم کیا جائے اور باطل کی ہر حال میں تردید کی جائے اور حقائق کو اپنی خواہشات کی بھینٹ نہ چڑھایا جائے۔ جو چیز جہاں بھی ہے، اگر وہ حق ہے تو اسے تسلیم کیا جائے اور اسی طرح باطل جہاں بھی ہے، اس کی تردید کی جائے۔ لیکن اس چیز کا خیال رکھا جائے کہ اس میں کسی بھی پہلو سے افراط و تفریط نہ آئے۔ جو جتنا حق ہے، اسے بس اتنا ہی حق کہا جائے اور

1 فاضل جامعہ لاہور الاسلامیہ، لاہور

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

باطل کو بھی اس کی حد تک ہی تسلیم کیا جائے۔

یورپ کی ان گوناگوں تبدیلیوں میں سے سر دست سیاسی تبدیلی کے حوالے سے چند پہلوؤں پر بات کرنا ہمارے پیش نظر ہے۔ لائق احترام وہی رویہ ہے جو حقیقت پسندانہ ہو!!

فرانسیسی انقلاب، سیاسی تغیر و تبدل کے حوالے سے قدیم و جدید کے دوران حدِ فاصل ہے۔ اگرچہ انقلابِ فرانس سے پہلے بھی زندگی گزارنے کے لیے بالعموم سیکولر طرزِ فکر تشکیل پا چکا تھا لیکن اسے باقاعدہ طور پر مرتب انقلاب کے بعد ہی کیا گیا، چنانچہ اس طرزِ فکر کو سیاسی و قانونی سطح پر تحفظ دینے اور معاشرتی سطح پر اس کی ترویج و تنفیذ کے لیے جو سیاسی نظامِ متعارف کرایا گیا وہ 'جمہوریت' تھا۔ جمہوریت ایک خاص قسم کا سیاسی نظام ہے جس کی ساخت وپرداخت ہی اس طرح سے کی گئی ہے کہ وہ سیکولر فلسفہ و فکر کو سیاسی لحاظ سے تحفظ کی ضمانت دے۔ جمہوریت کی اساسی اقدار: آزادی اور مساوات ہیں۔ آج جب ان بنیادی جمہوری اقدار کا مطالعہ ہم کرتے ہیں تو اکثر افراط و تفریط کا شکار ہو جاتے ہیں۔ مثلاً اکثر یوں ہوتا ہے کہ ہم آزادی اور مساوات کے الفاظ کے متعینہ اور مسلّمہ مفاہیم کو سامنے رکھ کر اسلام کے سیاسی نظام کا مطالعہ شروع کرتے ہیں تو ہمیں اسلامی مساوات اور آزادی، جمہوری مساوات اور آزادی سے بھی زیادہ مثالی شکل میں نظر آتی ہیں اور اس میں کوئی شک بھی نہیں کہ اسلامی تعلیمات اور تاریخی واقعات جس طریقے سے ان اقدار پر روشنی ڈالتے ہیں، اس کی مثال مغرب کے ہاں ناپید ہے اور ہمیں مغربی دنیا پر افسوس ہونا شروع ہو جاتا ہے کہ وہ من و سلویٰ چھوڑ کر ترکاریاں کیوں مانگ رہے ہیں۔ وہ کیوں ایسے کر رہے ہیں کہ ایک منزل تک پہنچنے کے لیے کشادہ و روشن راستہ چھوڑ کر تنگ و تاریک پگڈنڈیوں کو اختیار کر رہے یا پھر بھول بھلیوں میں اُلجھ رہے ہیں۔ لیکن اس طرح کا تجزیہ کرتے وقت تصویر کا دوسرا رخ ہماری نظروں کے سامنے نہیں ہوتا۔ وہ یہ کہ آزادی اور مساوات کا ایک فلسفیانہ رخ بھی ہے جو سیکولرازم کی نہ صرف نمائندگی کرتا بلکہ اسے پورا تحفظ دیتا ہے۔

مخصوص تصورات کی ادائیگی کے لیے جب اہل فن الفاظ کا انتخاب کر کے ان پر اتفاق کر لیتے ہیں تو وہ الفاظ اصطلاحات بن جاتی ہیں۔ یعنی ہر اصطلاح اپنے پس منظر میں ایک تصور، سوچ اور فلسفہ رکھتی ہے۔ اور فلسفہ و فکر کسی قوم کے صدیوں کے تاریخی و ثقافتی تعامل سے

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تشکیل پاتا ہے۔ چنانچہ ہر قوم کا اپنا ایک فلسفہ و فکر ہوتا ہے، اس لیے اہل علم و فن اپنے افکار و نظریات کے اظہار کے لیے اصطلاحات وضع کرتے ہیں، ان اصطلاحات میں دوسری قوم کے ساتھ لفظی اشتراک بھی پایا جاتا ہے تاہم الفاظ کا اشتراک تصورات کے اشتراک کو مستلزم نہیں۔ کیونکہ کسی قوم کے نظریات صدیوں کے تاریخی و ثقافتی تعامل کا نتیجہ ہوتے ہیں۔ مثلاً اہل مغرب جب آزادی، مُساوات اور حقوقِ انسانی وغیرہ جیسی اصطلاحات استعمال کرتے ہیں تو اس کے پیچھے وہ تصورات یا فلسفہ و فکر مراد نہیں ہوتے جو اہل اسلام کے پیش نظر ہیں۔ کیونکہ ان کا اپنا ایک علیحدہ فلسفہ حیات اور طرزِ فکر ہے جو کہ اہل اسلام سے جداگانہ بلکہ بعض صورتوں میں متضاد ہے۔ ذیل میں انہی دونوں پہلوؤں کو واضح کرنے کی کوشش کی گئی ہے تاکہ تصویر کے دونوں روپ سامنے آجائیں۔

ا۔ مُساوات

مساوات کی اسلام میں بہت زیادہ اہمیت ہے۔ یہ اسلام کے بنیادی اور مرکزی اُصولوں میں سے ہے۔ شریعت نے اپنے تمام احکامات کے انطباق میں مساوات کی بڑی سختی سے تلقین کی ہے کہ احکام شرعیہ کے نفاذ میں ہر قسم کے رنگ و نسل کے امتیازات کو یکسر ختم کیا جائے۔ معاشرتی وحدت کے لیے جاہلی بنیادوں کو پرکاہ کے برابر بھی اہمیت نہ دی جائے اور صرف اسلام کی دی ہوئی عالم گیر بنیاد کو اپنایا جائے جو عدل وانصاف اور مساواتِ محضہ پر مبنی ہے۔ جس میں علاقائی و قبائلی تعصّبات اور رنگ و نسب کے امتیازات کی بیخ کنی کی گئی ہے اور جس میں نسلیت کے خطوط صرف ذاتی و شخصی تعارف کے لیے کھینچے گئے ہیں۔

بلکہ اس بات میں یہ بھی ملحوظ رہے کہ اسلامی مساوات جمہوری مساوات سے کئی لحاظ سے مختلف ہے۔ مثلاً جمہوری مساوات کا حصول بڑی طویل جدوجہد، مسلسل کشمکش اور بے دریغ قربانیوں کے بعد ممکن ہوا۔ یعنی آغاز میں جمہوری نظام اپنی ساخت میں مساوات جیسی کوئی خاص تعلیم نہیں رکھتا تھا بلکہ بتدریج تصوری ارتقا اور تجربہ کی بنیاد پر اس میں مساوات کا اضافہ کیا گیا ہے جبکہ اسلام اپنے آغاز بلکہ اپنی اُٹھان سے ہی مساوات لے کر آیا۔

اسلامی مساوات ربانی اور عالم گیر تعلیمات پر مشتمل ہے جبکہ جمہوری مساوات انسانی

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

عقل اور تجربہ پر مبنی ہے۔ اسی وجہ سے جمہوری مساوات عالمگیر بنیاد، بے لاگ عدل و انصاف اور اعتدال و توازن سے محروم ہے جبکہ اسلامی مساوات ان تمام پہلوؤں کو اپنے اندر بڑی حسن وخوبی اور موزونیت کے ساتھ سموئے ہوئے ہے۔

جیسے کہ اس بات کی وضاحت کر دی گئی ہے کہ مساوات شریعت کا اصل الاصول ہے، یہ ساری شریعت کی بنیاد ہے۔ موضوع کی مناسبت سے اس کے دونوں پہلوؤں کو واضح کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔

قانونی مساوات

شریعت کی نظر میں قانونی طور پر سب برابر ہیں۔ کسی کو بھی 'استثنا' حاصل نہیں۔ اجرائے قوانین میں کسی بھی قسم کی قرابت داری اور محبت کا احساس امر مانع نہیں ہیں، تمام قوانین بلا رعایت و امتیاز جاری و ساری ہوتے ہیں، بلکہ اس بات میں اسلامی مساوات کی انتہا اور طرۂ امتیاز یہ ہے کہ وہ نظریاتی وحدت کو بھی کوئی اہمیت نہیں دیتا۔ یہ اسلام کا بے لاگ عدل اور مساواتِ محضہ کا مظہر اتم ہے۔ یہی وہ روح اور اساس ہے جو اس حدیث میں ہمیں نظر آتی ہے:

> «قَالَ إِنَّمَا أَهْلَكَ الَّذِينَ قَبْلَكُمْ أَنَّهُمْ كَانُوا إِذَا سَرَقَ فِيهِمُ الشَّرِيفُ تَرَكُوهُ وَإِذَا سَرَقَ فِيهِمُ الضَّعِيفُ أَقَامُوا عَلَيْهِ الْحَدَّ وَايْمُ اللهِ لَوْ أَنَّ فَاطِمَةَ بِنْتَ مُحَمَّدٍ سَرَقَتْ لَقَطَعْتُ يَدَهَا»[1]
>
> ''آپ نے فرمایا: اے لوگو! تم میں سے پہلے لوگوں کو ہلاک کیا گیا، ان میں سے جب کوئی معزز چوری کرتا تو وہ اسے چھوڑ دیتے اور ان میں سے کوئی کمزور چوری کرتا تو اس پر حد جاری کر دیتے اور اللہ کی قسم! اگر فاطمہؓ بنت محمد ﷺ بھی چوری کرتی تو میں اُس کا ہاتھ بھی کاٹ دیتا۔''

اور یہ کلمات زبانِ نبوت سے اس وقت صادر ہوئے تھے، جب رسولِ اکرم ﷺ شرع اسلامی کا اجرا کرنے لگے تھے تو آپ ﷺ کی بہت قریبی شخصیت حضرت اُسامہؓ بن زید نے صحابہ کے کہنے کی وجہ سے سفارش کی تھی۔ یہ ہے وہ مساوات جو اسلام کا غازہ ہے، جو عدل کی

1 صحیح بخاری: ۳۴۷۵

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

معراج اور انصاف کی انتہا ہے۔ عقل بھی اسی چیز کا تقاضا کرتی ہے کہ تمام لوگ قانون کی نظر میں یکساں ہوں۔ کیونکہ اگر ایسے نہیں ہو گا تو قانون کا عزت و احترام لوگوں کے دلوں سے اُٹھ جائے گا اور قانون وہ زنجیر ہے جو معاشرتی انتشار کو وحدت و یگانگت میں پروتی ہے اور قانون ہی وہ ترازو ہے جو معاشرتی اعتدال کا ضامن ہوتا ہے۔ لہٰذا جب اس کا احترام دلوں سے رخصت ہو جائے تو پھر معاشرے میں طاقت کا راج اور لاقانونیت کا بول بالا ہو جاتا ہے۔ جو معاشرہ لاقانونیت کی دلدل میں پھنس جائے اور انارکی کا شکار ہو جائے تو اسے تباہی و بربادی سے کوئی چیز روک نہیں سکتی۔ چنانچہ قانون کا احترام لازمی ہونا چاہیے اور وہ اسی وقت ممکن ہے جب قانون مساوات کا حامل ہو۔

نظریاتی و فلسفیانہ مُساوات

مُساوات کا ایک مفہوم تو وہ تھا جو ہم گزشتہ صفحات میں واضح کر چکے ہیں یعنی قانونی و سیاسی مساوات یا پھر جمہوری مساوات، لیکن مساوات کا ایک نظریاتی و فلسفیانہ رخ بھی ہے۔ جو اس وقت سامنے آتا ہے جب انسانی معاملات لادین اور سیکولر طرز فکر کے زیر سایہ تشکیل پانے لگیں۔ بلکہ اگر یوں کہا جائے تو بے جا نہ ہو گا کہ جمہوری نظام وضع ہی اس لیے کیا گیا تھا کہ وہ اس 'نظریاتی مساوات' کو تحفظ فراہم کرنے کی ضمانت دے۔

یہ مساوات... خیر و شر، اچھائی اور بُرائی، نیکی اور بدی کے تصور کے حوالے سے ہے۔ جس میں اس نظریے کو اہمیت حاصل ہے کہ ایک انسان اپنی نجی زندگی میں جو چاہے، وہ طرزِ زندگی اپنائے۔ جس کام کو چاہے اچھا کہے اور جسے چاہے بُرا کہہ لے، اس میں اختیار حاصل ہے۔ وہ چاہے تو مندر جائے، چاہے تو مسجد، چاہے تو زنا کاری کرے، چاہے عبادت گزاری، الغرض اپنی نجی و انفرادی زندگی میں وہ جو چاہے کرے، یہ اس کی مرضی پر منحصر ہے۔ لیکن نظریاتی مساوات یہ کہتی ہے کہ کسی کو بھی موردِ الزام نہ ٹھہرایا جائے اور ہر کسی کا یکساں احترام کیا جائے اور ہر کسی کی آئیڈیالوجی کو خیر تصور کریں اور برداشت کا رویہ اپنایا جائے۔ اس میں ایک مخصوص نظریہ و فلسفہ زندگی کو آپ بہتر نہیں کہہ سکتے بلکہ سب برابر ہیں۔ یہی وہ نظریاتی و فلسفیانہ تصورِ مُساوات ہے جس کے تحفظ کے لیے جمہوری سیاسی نظام، جمہوری

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

قانون، جمہوری معاشی نظام وضع کیے گئے بلکہ ایک جمہوری معاشرے کے خطوط اسی تصور پر کھینچے گئے ہیں۔

اسلام کی نظر میں یہ مساوات کچھ بھی اہمیت و وقعت نہیں رکھتی۔ اسلام ایک نظریۂ حیات ہے اور وہ دنیا و آخرت کی کامیابی صرف اپنے ساتھ ہی مربوط کرتا ہے۔ اپنے غلبے کے لیے جد وجہد کرنے پر زور دیتا اور تلقین کرتا ہے۔ وہ اپنے آپ کو 'الحق' سے تعبیر کرتا ہے۔ جس کا مطلب یہی ہے کہ صرف وہی طرز زندگی درست ہے جسے وہ اپنانے کی دعوت دیتا ہے، البتہ باقی طرزہائے حیات کو برداشت کرنے کی تعلیم دیتا ہے، چناں چہ اللہ کا ارشاد ہے:

﴿هُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ﴾ [1]

"وہی تو ہے جس نے اپنے پیغمبر کو ہدایت اور دین حق دے کر بھیجا تاکہ اس دین کو دنیا کے تمام دینوں پر غالب کرے۔"

اور دوسرے مقام پر فرمایا:

﴿لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ قَدْ تَّبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ فَمَنْ يَّكْفُرْ بِالطَّاغُوْتِ وَيُؤْمِنْ بِاللّٰهِ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى لَا انْفِصَامَ لَهَا وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ﴾ [2]

"کچھ زبردستی نہیں دین میں۔ بے شک خوب جدا ہو گئی ہے نیکی راہ گمراہی سے تو جو شیطان کو نہ مانے اور اللہ پر ایمان لائے اس نے بڑی محکم گرہ تھامی جسے کبھی کھلنا نہیں اور اللہ سنتا جانتا ہے۔"

الغرض مساوات کا ایک تصور اسلامی ہے، جہاں قانون و شرع کی نظر میں سب برابر ہیں، یہ مساوات کا صحیح تصور ہے۔ لیکن اہل مغرب کے ہاں مساوات کا تصور خیر و شر، نیکی اور برائی میں انسانی حق ہونے کی بنا پر مساوات ہے، ظاہر ہے کہ ہر دو کے ہاں ایک ہی لفظ کے دو پہلو باہم متضاد ہیں۔ اور یہ مساوات اسلام میں بالکل ناقابل قبول ہے۔ اس لئے مغرب کا تصورِ مساوات بالکل اور مفہوم اور مختلف تناظر رکھتا ہے۔ جمہوریت جس تصورِ مساوات کی

١ سورۃ الفتح:٢٨

٢ سورۃ البقرۃ:٢٥٦

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بات کرتی اور جس کو پروان چڑھاتی ہے وہ مغرب کا دیا ہوا تصورِ مساوات ہے، اس لئے اس سے بچنا از بس ضروری ہے اور مسلمانوں کو جمہوریت کے لفظ مساوات سے دھوکا ہرگز نہیں کھانا چاہئے۔ جمہوریت کی قدر مساوات، اسلام کے تصورِ مساوات سے یکسر مختلف ہے!!

۲۔ آزادی

'آزادی' ایک ایسا حق ہے جس کا دورِ جدید میں مغرب نے بہت زیادہ چرچا کیا ہے۔ آج اگر سارے مغربی فلسفے کا تجزیہ کریں تو وہ سارے کا سارا اسی بنیادی حق کے گرد گھومتا ہوا نظر آتا ہے۔ آزادی مغرب کی 'قدرِ مطلق' ہے۔ اسی کی بنیاد پر وہ اچھائی اور بُرائی کا فیصلہ کرتے ہیں۔ جس تصورِ حیات میں جس قدر آزادی کو ملحوظِ خاطر رکھا گیا ہو، ان کے ہاں وہ اسی قدر اہمیت کا حامل ہے۔ اس کے برعکس جس نظریۂ زندگی میں انسانی آزادی جس قدر سلب ہو گی وہ اسی کی نسبت سے کم وقعت ہو گا۔ اگرچہ آزادی کی یہ بحث یا فلسفہ آغاز میں تو محدود سا دائرہ رکھتی تھی، لیکن رفتہ رفتہ حالات کے تقاضوں اور عوامی شعور کے مطابق وسعت اختیار کرتا چلا گیا۔ مثلاً سترہویں، اٹھارویں صدی تک جب کلیسا، بادشاہوں اور جاگیرداروں کا ظلم و ستم اپنی انتہاؤں کو چھونے لگا تو یورپی عوام کی طرف سے بغاوت کرتے ہوئے یہ مطالبات سامنے آئے :

a مذہبی تعبیرات کی بجائے، سائنسی تحقیقات میں آزادی ہو۔

b کلیسا اور بادشاہوں کے سیاسی جبر کی بجائے، آزادانہ سیاسی نظام ہو۔

c جاگیردارانہ معاشی سرکل اور مذہبی وسیاسی ظالمانہ ٹیکسوں کی بجائے آزادانہ سرمایہ کاری ہو۔

اگر 'آزادی' کا تاریخی پس منظر سمجھیں تو ابتدائی طور پر آزادی کی یہی تین سطحیں سامنے آتی ہیں۔ یعنی سائنسی، سیاسی اور معاشی سطح پر آزادی حاصل ہو۔ لیکن وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اس تصورِ آزادی نے سارے کے سارے مغربی فلسفے کو اپنے احاطے میں لے لیا اور زندگی کے ہر شعبے میں اسی پیمانے کے مطابق اقدار کا تعین کیا جانے لگا چنانچہ آزادی ہی خیر و شر کا معیار ٹھہری۔ اس کی بنیاد پر ملکی قوانین تشکیل دیے جانے لگے، حتیٰ کہ اس کی بنیاد پر مذاہب کو بھی پرکھا جانے لگا۔ وہ مذہب مطعون ٹھہرایا جانے لگا جو مذکورہ انسانی آزادی کو

2014

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سلب کرتا ہے۔

روایت پرستی اور اسلاف سے انقطاع اسی کی وجہ سے کیا گیا۔ سائنسی تحقیقات وایجادات کے فکری پہلوؤں کی تعبیر بھی اسی کے مطابق کی گئی۔ الغرض انسانی معاشرے کی بنا ایسے نئے فلسفوں کے مطابق رکھی گئی جو اپنے طرزِ فکر، اپنی تعبیر اور اپنی اصل میں 'آزادی' کو ہی قدرِ مطلق تصور کرتے تھے۔

آج جب اسلامی مفکرین یا اسلامی سکالرز اسلامی ربانی تعلیمات کا مغرب کے خود ساختہ نظریات سے موازنہ کرنے لگتے ہیں تو وہ مغربی آزادی کو عین اسلامی آزادی قرار دینے کی غلطی کررہے ہوتے ہیں کیونکہ ان کے پیش نظر مغربی آزادی کے فلسفیانہ پہلوؤں کی بجائے قانونی، سیاسی یا زیادہ سے زیادہ مذہبی آزادی کا تصور ہوتا ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ ابتدا میں اہل مغرب کے ہاں بھی آزادی کے یہی پہلو تھے۔ لیکن آج ان کے ہاں اسے ایک فلسفہ حیات کے طور پر لیا جاتا ہے۔

اس پس منظر میں ہم دیکھیں تو پھر آزادی کے دو مغربی مفاہیم ہمارے سامنے آتے ہیں جن میں سے ایک کے ساتھ تو اسلام بس اپنی ظاہری سی شکل میں لگا کھاتا ہے، اگرچہ روح اور حقیقت کے اعتبار سے دیکھا جائے تو اس میں بھی اسلامی نظریہ حیات مختلف ہے۔ جبکہ دوسرے تصورِ آزادی سے تو کسی اعتبار سے لگا بھی نہیں کھاتا۔ چنانچہ ہم ذیل میں آزادی کے دونوں مفاہیم کا اسلام کے ساتھ تفصیلی موازنہ پیش کرتے ہیں:

① آزادی کا ایک مفہوم تو یہ ہے کہ ہر شخص اپنی نقل و حرکت میں آزاد ہو، ہر طرح کے ظلم و جبر سے محفوظ ہو۔ نقل مکانی کرنے میں آزاد ہو، حکومت اسے قانونی جواز کے بغیر گرفتار، قید اور نظر بند نہ کرسکتی ہو۔

یہ آزادی کا قانونی و سیاسی پہلو ہے۔ اسلام بھی اپنے فلسفہ حیات کے مطابق اسے تسلیم کرتا ہے، چنانچہ اسلام ہر طرح کے ظلم وزیادتی سے انسان کو محفوظ کرتا ہے۔ اسلامی شریعت کے مقاصد ہی یہی ہیں کہ انسانی جان، مال، عزت و آبرو اور عقل کی حفاظت کی جائے۔ اسے ہر طرح سے دستِ ظلم کا شکار ہونے سے بچایا جائے۔ اسلام نے انسان کے ان بنیادی حقوق پر دست درازی کرنے والوں کے خلاف ایسی سخت اور حکمت پر مبنی سزائیں مقرر کی ہیں کہ

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

انسانی عقل اس طرح کی سزائیں متعین کرنے سے قاصر ہے تاکہ ایک فرد کو مکمل طور پر ہر طرح کی حفاظت میسر آجائے۔ شریعت کی اسی روح کو واضح کرنے کے لئے فقہا نے یہ بنیادی قاعدہ کلیہ بنایا کہ "الاصل براءة الذمة" جس کے معنی یہی ہیں کہ جب تک کسی کے خلاف جرم ثابت نہ ہو وہ بری الذمہ ہے۔ قانونی و شرعی طور پر اس کی کوئی باز پرس نہیں ہوسکتی اور اسی طرح کسی دوسرے شخص کے جرائم کا بوجھ بھی اس پر نہیں ہوگا... ﴿وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ أُخْرَىٰ﴾[1]

اس ضمن میں واضح رہے کہ فقہا کے مذکورہ مسلّمہ قاعدے کے تحت ذمی بھی شامل ہیں۔ جب وہ جزیہ ادا کردیں تو اسلامی ریاست پر لازم ہے کہ ان کی حفاظت بھی اسی طرح کرے جیسے مسلمانوں کی جاتی ہے۔ سیدنا علیؓ کا فرمان ہے:

"إنما بذلوا الجزية فتكون أموالهم كأموالنا ودماؤهم كدمائنا"[2]

"انھوں نے جزیہ اس لیے خرچ کیا ہے کہ ان کے مال ہمارے مال کی طرح اور ان کے خون ہمارے خون کی طرح ہو جائیں۔"

نیز کئی ایک نصوص شرعیہ سے بھی اس چیز کی تلقین ملتی ہے۔ اسی طرح نقل و حرکت اور نقل مکانی کی آزادی کا بھی اسلام فطری دائرہ حیات میں رہتے ہوئے قائل ہے۔

اس باب میں اسلام کسی پر کوئی خاص پیشہ اپنانے کی پابندی عائد نہیں کرتا بلکہ وہ حلال اشیاء اور جائز طریقوں سے کمانے کی بھرپور حوصلہ افزائی کرتا ہے۔ پھر فرد کو معاشرے کی بھینٹ نہیں چڑھاتا۔ ایک فرد جب اس کی عائد کردہ شرائط کے مطابق کماتا ہے تو وہ اسے یہ نہیں کہتا کہ اجتماعی و ریاستی فلاح و بہبود کی خاطر اپنی اس ساری جائز دولت سے دست کش ہو جاؤ، بلکہ وہ انفرادی ملکیت کا قائل ہے۔ پھر وہ فرد کو ہی ملکیتی حقوق دینے پر اکتفا نہیں کرتا بلکہ اس جائز مال میں سے ایک محدود حصہ اجتماعی فلاح و بہبود کے لیے بھی مختص کرتا ہے۔ تاکہ معاشرہ ارتکاز دولت اور معاشی افراط و تفریط سے بچ کر اعتدال اور توازن کی بہترین

2014

1 سورۃ الاسراء ۱۷:۱۵

2 المغنی: ۸/۴۵

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اور روشن شاہراہ پر گامزن ہو سکے۔

اسی طرح نقل مکانی کرنے کے حوالے سے بھی اسلام سیاحت ارضی اور دینی تقاضوں کے مطابق زندگی بسر کرنے کے لیے ہجرت کی حوصلہ افزائی کرتا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ اس کرۂ ارض کی وسعتوں اور گہرائیوں میں جابجا عبرت کے صفحات بکھرے پڑے ہیں، انہیں پڑھو اور ساری زمین پر حقیقی ملکیت خدا کی ہے اور سارے انسان خدا کی ملکیت ہیں، اس وجہ سے اس زمین پر تمام انسانوں کا یکساں حق ہے۔ البتہ انسانی معاملات کو چلانے کے لیے بعض انسانوں کو مجازی طور پر مالکانہ حقوق دے رکھے ہیں۔ یہ الگ بات ہے کہ اس بنی نوع انسان نے ان بعض مجازی ملکیتوں پر عصبیت کی ایسی گہری لکیریں کھینچ لیں ہیں جس کی وجہ سے انہوں نے اپنے اوپر زمین کو وسعتوں کے باوجود تنگ کر لیا ہے۔ اس مادی اور بے بنیاد سی چیز کو اعلیٰ روحانی رشتوں کا سا تقدس دے رکھا ہے۔

یا خدایا! انسانیت کو اسلامی معاشرتی وحدت کا شعور و فہم عطا فرما!!

نظریاتی فلسفہ آزادی

دوسری طرف آزادی کا اگر فلسفیانہ و نظریاتی سطح پر جائزہ لیا جائے تو اس کا اسلام کے ساتھ دور کا بھی کوئی واسطہ و تعلق نہیں۔ اس حوالے سے ڈاکٹر جاوید اکبر انصاری رقم طراز ہیں:

”جمہوریت کا جواز فرد کی آزادی (یعنی عبدیت سے انکار) کے تصور پر مبنی ہے اور آزادی کا تصور فرد کی زندگی کو دو حصوں میں تقسیم کرتا ہے:

۱۔ نجی زندگی Private life ۲۔ اجتماعی زندگی Public life

پرائیویٹ لائف سے مراد کسی شخص کی زندگی کا وہ گوشہ ہے جس میں وہ خیر و شر اور خواہشات کی ترجیحات کا جو پیمانہ طے کرنا چاہے کر سکے۔ جمناسٹک کلب جانا چاہے تو جا سکے، بندوں کی زندگی کے حالات جمع کرنے پر پوری زندگی صرف کرنا چاہے تو کرے، شراب خانہ جانا چاہتا ہے تو چلا جائے اور اگر مسجد یا گرجا وغیرہ کی سیر کرنا چاہے تو کر لے۔“[1]

[1] 'اسلامی بنکاری اور جمہوریت' از زاہد صدیق مغل: ص ۳۰۸

.2014

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

گویا اپنی نجی وانفرادی زندگی میں انسان آزاد ہے، وہ جس طرزِ فکر کو چاہے، اپنالے اور جو کام اپنی زندگی میں چاہے کر لے۔ آخرت کیا ہے؟ خدا اور رسول کے فرمودات کی کیا حیثیت ہے؟ وہ کیا تلقین کر رہے ہیں اس سے ہمیں کوئی سروکار نہیں۔ اصل حقیقت یہ ہے کہ میں اس دنیا میں زندگی بسر کر رہا ہوں۔ اور جس کا میں مشاہدہ کر رہا ہوں اور جو مسائل مجھے درپیش ہیں وہ ایک حقیقت ہیں، کیونکہ حقیقت کا تعلق صرف محسوسات سے ہے۔ اپنے ان دنیاوی مسائل کو میں نے کیسے حل کرنا ہے؟ ان تلخ حقائق کا مجھے سامنا کیسے کرنا ہے؟ وہ اس طرح ہونا چاہیے کہ اس کا ثمر مجھے اس دنیا میں نظر آنا چاہیے۔ یہ ہے وہ مغربی طرزِ فکر جسے ایک مسلّمہ قدر کی حیثیت حاصل ہے۔

اسی بنا پر طے پایا کہ 'مثالی زندگی کا حصول امن سے ممکن ہے اور پرامن بقائے باہمی یہ ہے کہ تمام انسانوں کو ان کی نجی زندگی میں آزاد چھوڑ دیا جائے اور مذہب کو بھی نجی زندگی کا ہی ایک حصّہ قرار دیا جائے۔ کیونکہ مذہبی واُلوہی ہدایات و تعبیرات زندگی کے پیش آمدہ مسائل کا مناسب، معتدل اور قابل عمل حل پیش کرنے سے قاصر ہیں۔ لہٰذا بہتر یہی ہے کہ اسے ایک انفرادی و نجی مسئلے کا درجہ دیا جائے۔ سیاست، معیشت اور معاشرت سے اسے کوئی سروکار نہ ہو۔ یہ وہ فکری قضیہ ہے جو یورپ میں صدہا برس کے تاریخی عمل کے بعد تشکیل پایا ہے اور جسے آج پوری دنیا میں ردّ وقدح کے بعد لاشعوری طور پر تسلیم کیا جانے لگا ہے اور حیاتِ انسانی کی عملاً ترتیب و تشکیل بھی کی جانے لگی ہے۔ اسی بنا پر کہا جانے لگا کہ انسان اپنی نجی زندگی میں آزاد ہے، وہ جو چاہے کرے۔ لیکن کسی دوسرے کو کوئی حق نہیں کہ وہ اسے قابلِ ملامت ٹھہرائے۔

اسی طرح اجتماعی زندگی کے حوالے سے ڈاکٹر جاوید اکبر رقم طراز ہیں:

"پبلک زندگی سے مراد فرد کی زندگی کا وہ حصّہ ہے جو وہ دوسرے افراد کے ساتھ تعلقات قائم کر کے گذارتا ہے اور ان تعلقات کے نتیجے میں ایک معاشرہ اور ریاست وجود میں آتی ہے۔ جمہوری ریاست میں ان تعلقات کی بنیاد افراد کی

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اغراض اور خواہشات کی تکمیل ہوتی ہے، نیز اجتماعی فیصلے اس بنیاد پر طے ہوتے ہیں کہ عوام زیادہ سے زیادہ آزادی یعنی سرمائے کا حصول چاہتے ہیں۔" [1]

یعنی جب مادی زندگی اصل حقیقت قرار پائی اور مذہب انسان کی زندگی کا نجی مسئلہ طے پایا تو اجتماعی زندگی یا اجتماعی مسائل کے حل اور اجتماعی تعلقات کی استواری کی بنیاد عقل محض طے پائی تو نتیجۃً اس حرص وہوا اور مغلوب الشہوات پیکرِ خاکی نے یہی طے کیا کہ انسانی تعلقات کو ایثار و محبت جیسی لازوال روحانی دائمی بنیادیں فراہم کرنے کی بجائے اغراض ونفسانیت جیسی وقتی بنیادیں فراہم کی جائیں۔ پھر اسی وجہ سے اس غرضی و نفسی تعلق کی ان صورتوں کو قانونی انداز میں منظم شکل دی جن میں آزادی کو انتہائی ممکنہ حد تک ملحوظ رکھا گیا۔ چنانچہ آزادی کے اس تصور کی اسلام میں پر کاہ کے برابر بھی اہمیت نہیں۔ وہ اس دنیا کی تکمیل آخرت کے تصور کے ساتھ کرتا ہے۔ ایک اگر عمل ہے تو دوسرا اس کی جزا ہے۔ ایک اگر کھیتی ہے تو دوسرا حاصل ہے۔ ایک ابتدا ہے تو دوسرا انتہا ہے!!

اسلام حیاتِ انسانی کو اُلوہی و ربانی بنیادوں پر تشکیل دیتا ہے۔ اسلام اعمالِ انسان کا ایک مخصوص سانچہ تیار کرتا ہے، جس میں انسانوں کے باہمی تعلقات کی بنیاد لازوال روحانیت کو قرار دیتا ہے۔ وہ زندگی کو انفرادی واجتماعی جیسے غیر منفک اجزا میں تقسیم کرنے کا تھوڑا سا بھی روادار نہیں ہے۔ دونوں کو ایک ہی زاویۂ نظر سے دیکھتا ہے، اسی بنیاد پر اپنے قانون اور نظم وانضباط کی بنیادیں اُٹھاتا ہے اور اسی کو وہ فطری دائرۂ حیات کہتا ہے۔ اس سے انحراف کو مسخ فطرت جیسی کوششوں کے مترادف قرار دیتا ہے۔

الغرض آزادی کا یہ تصور اسلامی نقطہ نظر کے مطابق کسی صورت میں بھی لگا نہیں کھاتا۔ لہٰذا اسلامی تصوراتِ مُساوات و آزادی بمقابلہ مغربی تصورات آزادی و مساوات اپنے روح و مقصد میں بالکل مختلف ہے اور جو ظاہری و قانونی شکلیں کچھ تھوڑا سا لگا کھاتی بھی ہیں تو وہ متضاد سمتوں میں گامزن شاہراؤں کا اتفاقی حادثہ ہے۔ اپنی منزل وہدف کے اعتبار سے دونوں یکسر متضاد ہیں!!

1 ایضاً

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ